اسلامی تعلیمات کے انسان دوست رویے اور جنگی قیدیوں کے ساتھ برتاؤ

THE HUMANITARIAN ATTITUDES AND TREATMENTS OF PRISONERS OF WARS IN ISLAMIC TEACHINGS

DR. ARIF KHAN SAQI
Professor, Chairman, Department of Islamic Learning, University of Karachi.
Email: maksaqi@uok.edu.pk

Saqi, Arif Khan **"The Humanitarian Attitudes and Treatments of Prisoners of wars in Islamic Teachings"** Al-Raheeq International Research Journal Vol 2, Issue.2 (December 23, 2023). Pg. No: 1-25

Journal	Al-Raheeq International research Journal
Journal homepage	https://alraheeqirj.com
Publisher	Al Madni Research Centre
License:	Copyright c 2023 NC-SA 4.0 www.alraheeqirj.com
Published online:	2023-12-23
ISSN No:	
Print version:	2959-7005
Online version:	2959-7013

Open Access

CC BY NC SA

AL-RAHEEQ International Research Journal
Vol. 2, No. 2 || July-December 2023 || P. 1-25

اسلامی تعلیمات کے انسان دوست رویے اور جنگی قیدیوں کے ساتھ برتاؤ

THE HUMANITARIAN ATTITUDES AND TREATMENTS OF PRISONERS OF WARS IN ISLAMIC TEACHINGS

Abstract:

The Prophet presented the rules and regulations of war about 1450 years ago, in the time period when war is the sign of barbarism, bloodshed and brutality. Islam does not like war and bloodshed and not interested in taking prisoners. But if war becomes a compulsion it obliges to respond with full intensity and force. It never allows cowardice and lack of courage while dealing the enemies. Islam is the religion of Peace and harmony. It promotes the feeling of Peace, love, compassion and good will. And dislikes the harshness, ruthlessness and brutality. Islam's pacifism cannot be attributed to its weakness. Islam on one hand encourages its followers to refrain from war and on the other hand, to be kind and merciful to the prisoners of war. Islam treats prisoners of war as a worthy individual like the weak members of the human community, the poor and the orphans. He calls them fully deserving of mercy and human

sympathy. And not only that, but in very clear words, he teaches them to be kind to them. This Article discuss the Practical teachings in relation to the prisoners of wars. It describes the rights of Prisoners and also derives the laws of dealing with prisoners from Quran and Sunnah. It also analyzes the practical working of ICRC, discussing its objectives and articles.

Keywords: War, Bloodshed, prisoner, mercy, Quran, Sunnah

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عالمِ انسانیت کی ہدایت و راہبری کے لیے اپنا آخری صحیفہ اپنے آخری نبی و مرسل حضرت محمد مصطفی ﷺ کے قلب انور پر اُتار کر اپنے دین کی تکمیل فرمادی ہے۔ اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ دینِ اسلام ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں مکمل تعلیمات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ جہاں عام حالات کے بارے میں احکامات و ہدایات ملتی ہیں وہیں خاص اور ہنگامی حالات کے تعلق سے بھی کوئی تشنگی محسوس نہیں ہوتی۔ پُرامن بقائے باہمی کے اصولوں سے لے کر جنگ و جدال تک کے ہر موقع کو ایک بامعنی ضبط و ارتباط عطا کر دیا گیا ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح ہر مقام پر انسانیت کی فوز و فلاح، تعمیر و ابتناء اور فروغ و ارتقاء کو ہی پیش نظر رکھا گیا ہے۔

جس طرح حیاتِ انسانی کے دیگر تمام شعبوں اور پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اُسی طرح جنگی قیدیوں کے تعلق سے بھی بہت واضح اور قابل عمل تعلیمات فراہم کر دی گئی ہیں۔ عادتاً و عرفاً تو یہی سمجھا اور مانا جاتا ہے کہ جنگ کے حالات میں جو بھی جنگجو پکڑا جائے یا گرفتار ہو جائے وہ جنگی قیدی کہلاتا ہے۔ مگر اطمینانِ خاطر اور شرحِ صدر کے لیے

ہم ماہرین فکر و فن کی آراء کی روشنی میں یہ جاننے کی سعی کرتے ہیں کہ از روئے لغت و اصطلاح جنگی قیدی سے کیا مراد ہے؟ یہ جاننے کے لیے جب ہم ماہرین لغت و اصطلاحات کا سہارا لیتے ہیں تو اِس ضمن میں معروف اہل علم و دانش کی حسب ذیل تصریحات ہمیں رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ مثلاً ابن سیدہ کہتے ہیں:

"اَسَرَ یَأْسِرُ اَسْرًا وَاِسَارَۃً: شَدَّہٗ۔ وَالْاِسَارُ: مَا شُدَّ بِہٖ۔ وَالْجَمْعُ: اُسُرٌ۔ وَالْاَسِیْرُ: اَلْاَخِیْذُ"[1]

ترجمہ: یہ فعل باب ضرب یضرب سے آتا ہے۔ اِس کا مصدر: " اَسْرًا " اور " اِسَارَۃً " ہے۔ "اَلْاِسَارُ " اُس تسمے یا رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے باندھا جائے۔ اِس کی جمع: "اُسُرٌ " ہے۔ اور " الْاَسِیْرُ " ہر اُس شخص کو کہتے ہیں جس کو پکڑ لیا گیا ہو۔

ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

"اَلْاِسَارُ: اَلْقِیْدُ وَیَکُوْنُ حَبْلُ الْکِتَافِ وَمِنْہُ سُمِّیَ الْاَسِیْرُ وَکَانُوْا یَشُدُّوْنَہٗ بِالْقِدِّ فَسُمِّیَ کُلُّ اَخِیْذٍ اَسِیْرًا وَاِنْ لَمْ یُشَدَّ بِہٖ۔۔۔ وَالْجَمْعُ: اَسْرٰی وَاُسَارٰی"[2]

ترجمہ: " اَلْاِسَارُ " بیڑی کو کہتے ہیں۔ اور یہ مشکیں کسنے کا تسمہ یا ڈوری ہوتی ہے۔ اِسی سے لفظِ اسیر بنا ہے۔ اور ہوتا یہ تھا کہ وہ پکڑ کر بیڑیاں ڈال دیا کرتے تھے۔ لہٰذا گرفتار شخص کو اسیر کہا جانے لگا بھلے اُس کو باندھا نہ بھی گیا ہو، لفظِ اسیر کی جمع اَسْریٰ اور اُسَاریٰ آتی ہے۔

ماوردی کہتے ہیں:

"فَاَمَّا الْاَسْرٰی فَھُمُ الرِّجَالُ الْمُقَاتِلُوْنَ مِنَ الْکُفَّارِ اِذَا ظَفَرَ الْمُسْلِمُوْنَ بِاَسْرِھِمْ اَحْیَآءً"[3]

---

[1] ابن سیدہ، علی بن اسماعیل، المُرسیؔ، المحکم و المحیط الاعظم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، طباعت: 2000ء، ص: 543، ج: 8

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم، بن منظور، لسان العرب، سعودی عرب، کویت، دار النوادر، 2010ء، ص: 76، ج: 5، مادۃ: اس ر

[3] ماوردی، علی بن محمد بن حبیب، الاحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ، بتحقیق: قاضی نبیل عبد الرحمن حیّاوی، بیروت، دار ارقم، بلا سن، ص: 204

ترجمہ: رہی بات " اَلْاَسْرٰی "،(قیدیوں) کی تو یہ مقاتلین میں سے وہ مرد ہیں جن کو مسلمان، زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

وزارت الاوقاف والشئون الاسلامیہ، کویت کی طرف سے جاری کردہ موسوعہ فقہیہ میں اِس تعریف کو پیش کرنے اور زیرِ بحث لانے کے بعد اس کی حسبِ ذیل وضاحت بھی بیان کر دی گئی ہے:

"هُوَ تَعْرِيْفٌ اَغْلَبِيٌّ لِاِخْتِصَاصِهٖ بِاَسْرَى الْحَرْبِيّنَ عَنْدَ الْقِتَالِ لِاَنَّهٗ بَتَتَبُّعِ اِسْتِعْمَالَاتِ الْفُقَهَاءِ لِهٰذَا اللَّفْظِ يَتَبَيَّنُ اَنَّهُمْ يُطْلِقُوْنَهٗ عَلٰى كُلِّ مَنْ يُظْفَرُ بِهِمْ مِنَ الْمُقَاتِلِيْنَ وَ مَنْ فِيْ حُكْمِهِمْ وَ يُؤْخَذُوْنَ اَثْنَآءَ الْحَرْبِ اَوْ فِيْ نِهَايَتِهَا اَوْ مِنْ غَيْرِ حَرْبٍ فِعْلِيَّةٍ ، مَا دَامَ الْعَدَآءُ قَآئِمًا وَ الْحَرْبُ مُحْتَمَلَةٌ"[4]

ترجمہ: ماوردی کی بیان کردہ تعریف اِس کلمہ کے غلبۂ استعمال کے باعث ہے۔ اِس لیے کہ اِس کا اختصاص، قتال کے دوران مقاتلین کی گرفتاری کے ساتھ قائم ہو گیا ہے۔ کیونکہ فقہاء کے ہاں اِس لفظ کے استعمال کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء اِس کا اطلاق ہر اُس شخص پر کر دیتے ہیں جو بھی مقاتلین میں سے گرفتار ہو جائے اور وہ بھی جو اُن کے حکم میں ہو۔ اِسی طرح یہ لوگ جنگ کے دوران گرفتار ہوں یا اُس کے اختتام پر پکڑے جائیں یا اِن حالات میں گرفت میں آ جائیں کہ جب عملی طور پر جنگ نہ بھی ہو رہی ہو، جب تک کہ دشمنی قائم رہے اور جنگ کے امکانات موجود رہیں۔

ابو بکر الجصاص اپنی فقہی تفسیر، احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

[14] لموسوعۃ الفقہیہ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، کویت، 1983ء، ص: 95-194، ج: 4، مادّۃ: اسری

"اَلْاَظْهَرُ الْاَسِيْرُ الْمُشْرِكُ ۔ لِاَنَّ الْمُسْلِمَ الْمَسْجُوْنَ لَا يُسَمّٰى اَسِيْرًا عَلَى الْاِطْلَاقِ۔ وَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ (وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا" (الدھر: 76، آیت: 8)) تَدُلُّ اَنَّ فِيْ اِطْعَامِ الْاَسِيْرِ قُرْبَةٌ۔ وَيَقْتَضِيْ ظَاهِرُهٗ جَوَازُ اِعْطَآئِهٖ مِنْ سَآئِرِ الصَّدَقَاتِ"[5]

ترجمہ: ظاہر تر یہ ہے کہ لفظِ اسیر مشرک قیدی کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔اِس لیے کہ علی الاطلاق قید خانہ میں بند کسی مسلمان مسجون کو اسیر نہیں کہا جاتا۔اور یہ آیہ کریمہ اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسیر کو کھانا کھلانا اللہ کی قربت کا ذریعہ ہے۔اور یہ کہ اِس آیہ کریمہ کا ظاہر ہر طرح کے صدقات میں سے قیدیوں کو دینے کے جواز پر بھی دلالت کرتا ہے۔

یہاں یہ وضاحت بہت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ لفظِ اسیر عہدِ رسالت مآب علیٰ صاحبہ التحیۃ والصلوٰۃ میں بلا تفریق مؤمن و کافر یا مشرک، تمام جنگی قیدیوں کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا ابو بکر الجصاص کے بیان کا مقصود یہ ہے کہ فقہ کو جب فروغ ملا تو فقہاء نے اِس لفظ کو غیر مسلم قیدیوں کے لیے استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ لہٰذا کتبِ فقہ میں جہاں کہیں بھی یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے وہ اِس غیر مسلم جنگی قیدی کے معنی کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے۔ تصریحاتِ مندرجہ بالا پر نگاہ ڈال لینے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اَسِیْر ، اَسْرٰی اور اُسَارٰی سے کیا مراد ہے ؟ یقیناً وہ لوگ جو قتل و خونریزی کے ارادے سے میدان جنگ میں اترے ہوں جب گرفت میں آ جائیں تو انہیں اِن کلمات کا مصداق قرار دیا جاتا ہے۔اور جنگی قیدی بنا لیا جاتا ہے۔ پھر وہ لوگ جو اَسیر بنا لیے جاتے ہیں صاحبِ اقتدار کے قبضہ و تحویل میں ہوتے ہیں۔اور اُسی کے رحم و کرم پر اُن کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔

اسلام، جنگ و جدال اور قتل و خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور نہ ہی جنگی قیدی بنانے میں دلچسپی کا حامل ہے۔ مگر بزدلی و کم ہمتی کی اجازت بھی نہیں دیتا۔ ضرورت پڑ جائے یا جنگ اگر مجبوری بن جائے تو پوری شدت اور قوت

[5] الجصاص، احمد الرازی، ابو بکر، احکام القرآن، کراچی، قدیمی کتب خانہ، بلا سن طباعت، ص:707، ج:3

کے ساتھ جواب دینے کا پابند کرتا ہے۔ چنانچہ اسلام کی اَمن پسندی کو کمزوری پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام، ایک ہاتھ پر اپنے پیروکاروں کو جنگ سے گریز اور اجتناب کی ترغیب دیتا ہے اور دوسرے ہاتھ پر اِن کے دلوں میں احساس ذمہ داری کے ساتھ دوسرے لوگوں کے لیے نرم دلی و مہربانی کی تخم ریزی بھی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ حیوانات کے لیے بھی رحمدلی کے جذبات پیدا کرنے والے عوامل کو بروئے کار لاتا ہے۔ سنگ دلی اور بے رحمی کو ناپسند کرتا ہے۔ امن و محبت اور ہمدردی و خیر سگالی کے جذبات کی تحسین کرتے ہوئے اِن کو فروغ دیتا ہے۔ اور بہیمیت، درندگی و سفاکی، وحشت و بربریت تو اِس کی سرشت میں ہی نہیں ہیں۔

اسلام، جنگی قیدیوں کو انسانی برادری کے کمزور افراد یعنی مسکینوں اور یتیموں کی طرح کا ہی ایک قابلِ توجہ فرد گردانتا ہے۔ انہیں رحمدلی اور انسانی ہمدردی کا پورا پورا مستحق قرار دیتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ بہت واضح الفاظ میں اُن کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اِس نوع کے طرزِ عمل کو اللہ کی محبت کا تقاضا اور بہت بڑی نیکی بھی قرار دیتا ہے۔ ابرار کے اوصاف بیان کرتے ہوئے سورہ دھر میں ارشادِ پاک ہے:

"وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا "[6]

ترجمہ: فقط اللہ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم تو تمہیں صرف اور صرف اللہ کی رضا جوئی کی خاطر ہی کھانا کھلاتے ہیں، ہمیں تم سے کسی طرح کا بدلہ درکار ہے اور نہ ہی شکر گزاری کی طلب ہے۔

اِسی طرح غلاموں اور باندیوں کی آزادی و قیدِ غلامی سے رہائی دلانے کے عمل کی تحسین مکی عہد کی سورتوں میں بھی ملتی ہے۔ مکی عہد میں ابھی تک کسی جنگی قیدی کا تصور یا وجود تو نہیں تھا۔ مگر اِسلام کے نظامِ فکر و عمل کی بنیادوں میں مضمر ہدایات و تعلیمات کا ایک عمومی رجحان ضرور معلوم ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:"

فَكُّ رَقَبَةٍ۔ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ۔ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ۔ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ[7]"

[6] الدھر:76، آیات:8-9

ترجمہ: کسی کی گردن کو قیدِ غلامی سے رہائی دلانا۔ یا کسی بھوک زدہ دن میں کھانا کھلانا، کسی قربت رکھنے والے یتیم کو۔ یا کسی خاکسار مسکین کو۔

بخوبی عیاں ہے کہ کسی غلام یا باندی کو اُس کی پُر مشقت غلامانہ زندگی سے نجات دلادینا، ابتدائی اسلامی تعلیمات میں بھی لائق تحسین اور کارِ ثواب مانا جاتا تھا۔اِسی طرح قحط زدگان یا بھوک وافلاس کا شکار لوگوں کو یا یتیموں کو یا خاک نشیں مسکینوں کو کھانا کھلا دینا یہ سب بڑے لائق تحسین افعال شمار ہوئے ہیں۔ لہٰذا بے بس ولاچار اور مجبور و مقہور لوگوں کے تعلق سے درد کا احساس اور رحمدلی کا برتاؤ اسلام کے خمیر میں رکھ دیا گیا ہے۔ جس کے پاس احساس کی یہ نعمت ہوگی کہ کسی گرفتارِ بلا شخص کو دیکھ کر ہی تڑپ اُٹھے۔اور جب تک اُس کو چھٹکارا نہ دلا دے چین سے ہی نہ بیٹھے ،اُس کے لیے کہاں ممکن رہ جائے گا کہ کسی کو دیدہ و دانستہ گرفتارِ بلا کر دے۔اور وہ بھی ایک دو یا محض چند افراد ہی کو نہیں بلکہ اپنے جارحانہ عزائم کی تکمیل و تسکین کے لیے پورے سماج یا معاشرت کو جنگ کی آگ میں دھکیل کر آفات و آلام میں مبتلا کر بیٹھے۔اِس جنگ کے نتیجے میں کتنے ہی گھر ہیں جو برباد ہو جائیں گے۔ کتنے ہی بچے ہیں جو یتیم ہو جائیں گے۔ اور کتنی ہی عورتیں ایسی ہیں کہ بیوہ و بے آسرا ہو کر رہ جائیں گی۔اِسی طرح بہت سے لوگ زخمی، معذور اور مقتول ہوں گے۔اور بہت سے لوگ جنگی قیدی بن جائیں گے۔ لہٰذا رحمدلی اور لوگوں کی بہبودی کا احساس یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہر جائز اور ممکن طریقے پر جنگ کو ٹالا جائے۔اور مسائل و معاملات کا حل افہام و تفہیم کے ذریعے سے نکال کر لوگوں کو تباہ و نابود یا در بدر ہونے سے بچانے کے لیے آخری حد تک جا کر بھی اقدامات کر لیے جائیں۔ مگر جنگ سے بچا جائے۔

جہاں جنگ ہوگی تو قتل و خونریزی بھی ہوگی۔لوگ اور اثاثے تباہ بھی ہوں گے اور جنگی قیدی بھی بنیں گے۔ لہٰذا اگر جنگ پر مجبور نہ کر دیا جائے تو اسلام بھی کسی جارحیت کا رَوادار بالکل نہیں ہے۔ یہاں یہ امر بھی ملاحظہ فرمالیجیے کہ جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے گریزاں ہیں اور کوئی مجبوری انہیں اِس راستے پر کھینچ لائی ہے تو اُن کو

---

[7] سورۃ البلد:90،آیات:16-13

بھی غیر مقاتلین کے زمرے میں شمار کرتے ہوئے اُن کے تعلق سے بھی قرآن حکیم واضح تعلیمات دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

"اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا"[8]

ترجمہ: سوائے اُن لوگوں کے جو کسی ایسی قوم سے جاملتے ہیں کہ اس قوم کے اور تمہارے درمیان معاہدۂ امن موجود ہو، یا تم لوگوں کے پاس ہی آجائیں اِس حالت میں کہ دلوں میں تنگی رکھتے ہوں کہ تم لوگوں سے جنگ کریں یا اپنی قوم سے ہی جنگ کرنے لگ جائیں، اور اگر اللہ چاہتا تو اُنہیں تم لوگوں پر مسلط کردیتا پھر یقیناً وہ تم لوگوں سے جنگ کرتے، تو اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی کریں حتیٰ کہ تم لوگوں سے جنگ نہ کریں اور باہمی سلامتی وامن کے لیے تمہاری طرف ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لیے اُن پر دست درازی کی کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی ہے۔

اِس آیہ کریمہ میں ممکنہ طور پر پیش آنے والی دو مختلف صورتوں کو یکجا کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اگر سمجھنے میں دشواری محسوس ہو تو اِن کو الگ الگ کرکے بھی دیکھا اور سمجھا جاسکتا ہے۔ مثلاً: ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جاملتے ہیں جو پہلے سے آپ کی معاہِد بنی ہوئی ہے۔ اور آپ اور اُن کے درمیان معاہدۂ امن ودوستی موجود ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے۔ اگر معاہدہ میں حلیفوں کی شق بھی موجود ہوگی تو اُس معاہدۂ امن ودوستی کا تحفظ اُن لوگوں کو بھی میسر آئے گا جو کہ اُن سے جاملے ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے صلح حدیبیہ کے موقع پر بنو بکر قریش سے جاملے تھے اور بنو خزاعہ نے مسلمانوں کی حلیفی اختیار کرلی تھی۔ اور دوسری صورت یہ ہوئی ہے کہ وہ لوگ آپ لوگوں کی طرف آتو گئے ہیں مگر نہ تو آپ لوگوں کے ساتھ جنگ پر خوشدلی سے آمادہ ہیں نہ ہی اپنی قوم کے خلاف تلواریں بے

---

[8] النسآء:4، آیت:90

نیام کرنے پر اُن کی طبیعتیں آمادہ ہیں۔ یہ بھی مشیتِ ایزدی کے تحت ہے اور اگر اللہ چاہتا تو اِن لوگوں کو تمہارے اوپر یوں مسلط کر دیتا کہ وہ تم سے جنگ کرتے، لہٰذا اگر یہ لوگ تم لوگوں سے جنگ کرنے سے گریز کریں اور تم لوگوں کی طرف آمن و سلامتی کے لیے ہاتھ بڑھائیں تو ایسی صورت میں اللہ نے مسلمانوں کو کوئی حق و اختیار ہی نہیں دیا ہے کہ اُن لوگوں پر دست درازی کریں۔ گویا جو لوگ آمن سے رہنا چاہیں اُن کے لیے ماحول کو بہتر اور ساز گار بنایا جائے اور ایسی کسی بھی صورت میں جارحیت کے ارتکاب سے باز رہا جائے۔

یہ چند مثالیں ایسی ہیں کہ اسلام کے عمومی مزاج اور عملی رجحان کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ماحول و معاشرے میں آمن و سلامتی اور صلح و سکون ایسے عناصر ہی خوشی و خوشحالی پیدا کر سکتے ہیں۔ اِس لیے سکون و آسودگی اور فلاح و بہبود کے فروغ کے لیے اُن عناصر کے خاتمہ کے لیے عملی جدوجہد ضروری ہے جن کے باعث ماحول و معاشرے میں بدامنی و خونریزی، نفسا نفسی و افراتفری اور بے چینی و اضطراب پر مبنی ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اِسی طرح معاشی و معاشرتی ناہمواریوں اور ظلم و ناانصافی کا خاتمہ بھی ضروری ہے۔ یہ جملہ عناصر کسی بھی معاشرت کو دیمک کی طرح اندر ہی اندر چاٹتے چلے جاتے ہیں۔ لہٰذا اِن سے پاکیزہ ماحول ہی اپنے اندر یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ انسان ہر نوع کے ہجومِ کشمکش سے نکل کر پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے فرائض کی بجاآوری پر توجہ دے سکتا ہے۔ تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود اِس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جبکہ جنگ غیر معمولی حالات پیدا کر دیتی ہے۔ پھر ہاتھ پڑی سجھائی نہیں دیتی۔ کسی بھی ماحول یا معاشرے میں نامساعد حالات پیدا کرنے اور اُس کو تباہی و نابودی تک لے جانے کے معاملے میں جنگ سے بڑا اور تباہ کار کوئی اَور انسانی ساختہ و پرداختہ عنصر نہیں ہے۔ لہٰذا جنگ و جارحیت سے ہر ممکن گریز ہی اسلامی تعلیمات کا اقتضاء ہے۔

جنگ ہوتی ہی اِس لیے ہے کہ فریق مخالف کو زیر کر لیا جائے یا اُس کی جان لینے کی پوری کوشش کر لی جائے خواہ اِس راہ میں اپنی جان ہی چلی جائے۔ اِس لیے جب اثناء جنگ میں اپنے مخالف دشمن کو زخمی کر دینا یا قتل کر دینا جائز ہے۔ تو اُس کو زندہ گرفتار کر لینا بھی بدرجۂ اولیٰ جائز ہے۔ بلکہ کئی طرح کے فوائد کا حامل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اصل کسی کو جان سے مار دینا نہیں بلکہ اصل اُس کو ظلم سے روکنا اور باز رکھنا ہے اور جب قید سے یہ مقصد پورا ہو جائے تو یقیناً یہ اُس

کے قتل سے اولیٰ ہے۔ زندہ گرفتار ہو جانے کے سبب صحبت و مجلس کی تاثیر سے اُس کے ہدایت پانے اور اصلاحِ احوال کے امکانات زیادہ ہیں۔ جنگی قیدی بنانے کے جواز کے تعلق سے وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

"وَ الْاَسْرُ مَشْرُوْعٌ فِي الْإِسْلَامِ بِدَلِيْلِ قَوْلِهٖ تَعَالٰى : (وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ ۔ التوبة: 5) وَ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: (فَشُدُّوا الْوَثَاقَ۔ سورۃ محمد: 4) وَ هُوَ كِنَايَةٌ عَنِ الْاَسْرِ"[9]

ترجمہ: جنگی قیدی بنانا از روئے شرع جائز ہے۔ اور اِس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پاک ہے: (وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ) یعنی: اور اُن کو پکڑو اور محصور یعنی قید کر لو۔ اور اللہ تعالیٰ کے اِس ارشادِ پاک سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے: (فَشُدُّوا الْوَثَاقَ) یعنی: تو پھر تم لوگ رسیاں مضبوطی سے باندھ دینا۔ اور یہ جنگی قیدی بنانے سے ہی کنایہ ہے۔

اسی طرح اہلِ حرب اور مقاتلین میں سے ہر وہ شخص جو ہتھیار پھینک کر اَمان کا طلب گار ہو گا وہ بھی قتل سے مامون ہو جائے گا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

"لَا تُقْتَلُ رِجَالُهُمْ اِسْتِحْسَانًا۔ لِاَنَّهُمْ جَآؤُا لِلْاِسْتِئْمَانِ۔ لَا لِلْقِتَالِ۔ كَالْمَحْصُوْرِ اِذَا جَآءَ تَارِكًا لِلْقِتَالِ بِاَنْ اَلْقَى السَّلَاحَ وَنَادٰى بِالْاَمَانِ فَاِنَّهٗ يَأْمَنَ الْقَتْلَ"[10]

ترجمہ: مقاتلین کے مردوں کو بطورِ استحسان قتل نہیں کیا جائے گا۔ اِس لیے کہ وہ قتال کے لیے نہیں آئے۔ بلکہ طلبِ اَمان کی خاطر آئے ہیں۔ جس طرح کہ محصور جب قتال کو چھوڑ کر اس طرح سے آئے کہ اُس نے اسلحہ پھینک دیا ہے، اور اَمان کے لیے آواز لگائے تو وہ قتل سے مامون ہو جائے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو عزت و حرمت عطا کی ہے۔ مگر ضرر رساں بن کر یا کسی کے قتل کے درپے ہو کر انسان خود ہی اپنی اِس عزت و حرمت کی پامالی کا باعث بنتا ہے۔ ایسے ہی جیسے کسی بھی دوسرے سنگین جرم کی

---

[9] وھبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، بیروت، دار الفکر، 1998ء، ص:30-429

[10] ابن عابدین شامی، محمد امین، رد المحتار معروف بحاشیہ ابن عابدین، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، بلا سنِ طباعت، ص:250، ج:3

پاداش میں اِس کو قید کی سزا ملتی ہے اور وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔ اُس کے وہ حقوق سلب ہو جاتے ہیں جو ایک آزاد آدمی کو میسر ہوتے ہیں۔ مثلاً اپنی مرضی سے کہیں آنے جانے کی یا کسی سے ملنے ملانے کی آزادی اُس کو قید کی مدت پوری ہو جانے تک حاصل نہیں رہتی۔ البتہ کھانے پینے اور کپڑے پہننے، صفائی ستھرائی اور علاج معالجے کے حقوق اُس کے صاحبِ اقتدار کی صوابدید کی بنیاد پر بحال رہتے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہو گا کہ انسانی حقوق بھی دو طرح کے ہیں۔ اِن میں سے کچھ حقوق سلب ہو جانے کا نام قید ہے۔ قید کچھ مزید پابندیاں ضرور عائد کر دیتی ہے۔ اور قیدی کا اپنا اختیار اِس معاملے میں بھی سلب ہو جاتا ہے۔ مگر اِن تمام معاملات میں دینی تعلیمات کے ساتھ ساتھ انسانی اقدار بھی رہنما اصول مہیا کرتی ہیں۔

اسلام کی طاقت تلوار نہیں ہے۔ یا جنگی ساز و سامان کی بہتات اور جدت اِس کی پہچان نہیں ہے۔ اسلام کا طرۂ امتیاز اِس کا عالمگیر آفاقی پیغام ہے جو دلوں کو چھو لیتا ہے۔ رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ اور پستیوں سے نکال کر انسان کو اعلیٰ اخلاق و کردار کی اُن بلندیوں سے سرفراز کر دیتا ہے کہ عالمِ انسانی رشک بھری نظروں سے دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دشمن خواہ کتنا ہی گرا ہوا ہو اُس کے ساتھ گراوٹ میں برابری کرنے کی اسلام اجازت ہی نہیں دیتا۔ اپنی بلند مقامی کو مدّ نظر رکھ کر ہی اہلِ اسلام اُس کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ"[11]

ترجمہ: تمام امتوں میں تم ہی سب سے بہترین امت ہو جسے لوگوں کے سامنے لایا گیا ہے، تم بھلائی کی ترغیب دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو،

لٰہذا یہ بلند مقامی اِس سطح تک کسی کو نیچے آنے ہی نہیں دیتی کہ اپنی شکستِ ہمت کا اعلان کر دینے والے کسی شخص پر طاقت آزمائی کر سکے۔ اِس کی بجائے دنیا کے سامنے اپنے شخصی کردار و عمل کی عظمت کا ایک بے مثال نمونہ

---

[11] آلِ عمران: 3، آیت: 110

پیش کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔ تلواروں کے سامنے سر جھک سکتے ہیں مگر اِس طرزِ عمل سے دلوں کی تسخیر ہوتی ہے۔ اسلام جن اَخلاقِ حسنہ کا علم بلند کرنے کے لیے آیا ہے اور انسانی کردار و عمل کو اعلیٰ وارفع اقدار سے ہم آہنگ کرنے کی سعی کرتا ہے اُس کا اندازہ درج ذیل روایت سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فَكُّوا الْعَانِيَ يَعْنِي الْاَسِيْرَ وَاَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ"[12]

ترجمہ: قیدی یعنی اَسیر کو رہائی دلایا کرو، بھوکے کو کھانا کھلایا کرو اور مریض کی عیادت کیا کرو۔

یہ انسانی ہمدردی اور رحم دلی کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔ معاشرے میں خوشی اور آسودہ حالی ان چیزوں کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔ لہٰذا اِن تعلیمات کے ہوتے ایک دردِ دل رکھنے والا شخص یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کر سکتا کہ اِس لمحے یقیناً آپ بالا دست ہیں۔ اور آپ کے ہاتھوں قید میں پڑا شخص تو محصور و مقہور اور مجبور ہے۔ وہ کلی طور پر آپ ہی کے رحم و کرم پر ہے۔ نہ تو وہ خود اپنی مرضی سے کچھ کرنے کے لائق ہے اور نہ ہی اُس کے پیارے اِس مشکل کی گھڑی میں اُس کی کچھ دادرسی کر سکتے ہیں۔ ایسے میں یہ آپ کا امتحان ہے کہ آپ اپنی بلند مقامی کے پیش نظر اُس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے ہیں اور کیا برتاؤ کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کے اوپر ایک بالا دست اقتدار بھی ایک حقیقت ہے۔ اور ہر کسی کو اپنے بالا دست اقتدار سے رحم دلی اور مہربانی ہی کی ضرورت اور طلب بھی ہے۔ لہٰذا اگر اُس نے اپنے ہاتھوں اپنی قبر نہیں کھود رکھی ہے یعنی اُس کے اوپر جنگ کے علاوہ جرائم کی بھی کوئی طویل فہرست موجود نہیں ہے تو رہائی اُس کا دل جیتنے کا سبب بھی ہو سکتی ہے۔ ثمامہ بن اثال نے رسولِ کریم ﷺ کو منہ مانگے دام اپنی رہائی کے بدلے دینے کی پیشکش کی تھی۔ مگر رسولِ کریم ﷺ نے اُس کو بطورِ احسان رہا کرنا زیادہ بہتر خیال فرمایا اور ارشاد فرمایا: "أُطْلُقُوْا ثَمَامَةَ"،[13] یعنی: ثمامہ کو آزاد کر کے چھوڑ دو۔ اِس ہمدردی و احسان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ثمامہ کھجور کے

---

[12] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، 1961ء، ص:25-424، ج:1

[13] القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، 1956ء، ص:103، ج:2

قریبی باغ میں گئے۔ غسل کر کے پاک وصاف ہوئے۔ واپس مسجد میں داخل ہوئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ یہی ثمامہ بن اثال آگے چل کر اسلام کے ایک بڑے حامی اور مددگار ثابت ہوئے تھے۔

اہل اسلام کی کردار سازی اور شخصی تعمیر کے معاملے میں بھی قرآن حکیم اپنی تعلیمات میں بہت واضح ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ، اِعْدِلُوْا ، هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ، وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ"[14]

ترجمہ: اے ایمان ولو! اللہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے اللہ ہی کی خاطر عدل پر کمربستہ ہو جاؤ، اور کسی قوم کی عداوت و دشمنی تمہیں کسی بھی صورت جرمدار نہ بنائے اِس بنیاد پر کہ تم عدل ہی نہ کرو، تم عدل ہی کرتے رہو، یہی عمل تقویٰ کے قریب ترہے، اور ڈرتے رہو اللہ سے، یقیناً اللہ ہر اُس عمل سے آگاہ ہے جو بھی تم کرتے ہو۔

اِسلام اپنے غیر متبدل بنیادی اصولوں اور اعلیٰ وارفع اخلاقی اقدار پر سمجھوتا کرنے کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا کسی بھی گرے ہوئے یا مجبور محض دشمن پر جھپٹنا اور اُس کو اپنے غیظ و غضب کا شکار بنانا، اہل اسلام کی خود اپنی بلند مقامی و شیوۂ مردانگی کے سراسر منافی اور انسانیت کی بنیادی اخلاقی اقدار کے بھی بالکل خلاف عمل ہے۔

عصر جدید میں جنگ زدہ افراد کی بحالی اور جنگی قیدیوں کے تعلق سے ایک شاندار علمی و عملی کام International Committee of the Red cross کا نظر آتا ہے۔ یہ ایک عالمی تنظیم ہے۔ اور عالمی سطح پر فعال بھی ہے۔ آئی سی آر سی پاکستان بھی بہت متحرک اور فعال کردار ادا کر رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اِس کی کوششیں ایک واضح حکمتِ عملی کے تحت باقاعدہ، منظم و مربوط ہونے کے لحاظ سے بھی مثالی ہیں۔ ICRC، بلا لحاظ رنگ و نسل، علاقہ و زبان اور مذہب و مسلک متحارب فریقوں کے مابین اپنی مکمل غیر جانبداری کو برقرار رکھتے ہوئے عالمی سطح پر جنگوں

---

[14] المائدہ: 5، آیہ: 8

کے متاثرین کی بحالی کے لیے کام کرنے والا ایک متحرک وفعال ادارہ ہے۔ یہ ادارہ شعور و آگہی کے فروغ کے لیے بھی مؤثر حکمت عملی کے تحت ایک تسلسل کے ساتھ مصروفِ عمل ہے۔

انیسویں صدی کے وسط میں رونما ہونے والا ایک ہولناک جنگی حادثہ اور اِس کی تباہ کاریاں ہی اِس ادارے کے قیام کا باعث بھی بنی ہیں۔ جون 1859ء کا ایک دن ہے جب ایک سوئیس تاجر ہِنری ڈونا(Henry Dunant 1828-1910)کا گزر اٹلی کے ایک قصبے سے ہوا جہاں حال ہی میں فرانس اور آسٹریا کے مابین سلفرینو کی جنگ برپا ہوئی تھی۔ ہنری ڈونا نے دیکھا کہ میدانِ جنگ لاشوں اور زخمیوں سے بھرا پڑا ہے اور موقع پر موجود آرمی میڈیکل سروسز ناکافی ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ ایک فطری اَمر تھا کہ ڈونا کے دل میں اُس جنگ کے مقتولین کی لاشوں کو باوقار انداز میں اوجھل کرنے اور زخمیوں کی مشکلات کے ازالہ اور اُن کے درد کا مداوا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اِس سانحہ نے ڈونا کی زندگی کا دَھارا موڑ دیا تھا۔ ہِنری ڈونا نے A Memory of Solferino کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اِسی واقعہ سے انسانی ہمدردی کی اِس عالمگیر تحریک کی بنیاد بھی پڑی ہے۔(ملخصاً)[15]

ہِنری ڈونا نے جس تحریک کی بنیاد رکھی تھی، محض چند برسوں میں ہی ایک واضح شکل اختیار کرنے لگی اور ستر کی دھائی میں جنیوا کنونشن کی صورت میں عالمگیر دستاویزات کی بنیاد پڑ گئی۔ اِسی تسلسل میں مزید بہتری اور غور و خوض جاری رہا اور بالآخر 12 اگست 1949ء کو جنیوا کنونشن ایک نسبتاً بہتر اور جامع شکل میں اپنی چار دستاویزات کو حتمی شکل دینے میں کامیاب ہوا۔ انہی چار میں سے جنیوا کنونشن III جنگی قیدیوں سے متعلق ہے۔ اِس کا انعقاد 12 اگست 1949 کو ہوا ہے۔ اِس کے کل 143 آرٹیکلز ہیں۔ اِس کے ساتھ دیگر تفصیلات بھی درج ہیں۔

اپنے چوتھے ہی آرٹیکل میں یہ کنوینشن، قیدی کی تعریف بھی کرتا ہے اور اُن تمام شکلوں کا احاطہ بھی کرتا ہے جن پر جنگی قیدی کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یا جن جن لوگوں پر لفظِ مقاتل کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اِس آرٹیکل میں بہت

---

[15] Henry Dunant, A memory of Solferino, Published by ICRC, Geneva, Switzerland, Pg: 8-9

AL-RAHEEQ International Research Journal
Vol. 2, No. 2 || July-December 2023 || P. 1-25

جامع انداز میں مقاتل اور غیر مقاتل کے مابین تفریق کی گئی ہے۔تاکہ نہ تو کوئی غیر متعلقہ شخص جنگی قیدیوں کے زمرہ میں شامل ہو سکے اور نہ ہی کوئی جنگی قیدی اِس تعریف سے بالا و باہر رہ پائے۔[16]

اِس کنونیشن کا آرٹیکل 13 اِس امر پر روشنی ڈالتا ہے کہ ایک انسان ہونے کے ناتے ایک جنگی قیدی کے کیا کیا حقوق ہیں؟ جنیوا کنونشن احترام آدمیت پر خاص زور دیتا ہے۔اور یہی وہ واحد راستہ ہے جو کہ بنی نوعِ انسان کو جنگ و جدال اور قتل و خونریزی سے نجات دلا سکتا ہے۔

Prisoners of war must at all times be humanely treated. Any unlawful act or omission by the Detaining Power causing death or seriously endangering the health of a prisoner of war in its custody is prohibited and will be regarded as a serious breach of the present convention.[17]

مفہوم: جنگی قیدیوں کے ساتھ کل وقتی طور پر انسانی بنیادوں پر ہی سلوک روا رکھا جائے گا۔ حراست میں رکھنے والی قوت کا کوئی بھی عمل یا کوئی بھی ایسی چھوٹ جو اُس کی تحویل میں کسی جنگی قیدی کی موت کا سبب بن جائے یا اُس کی صحت و سلامتی کو شدید طور پر خطرے میں ہی ڈال دے، ممنوع ہے۔اور ایسے کسی بھی عمل کو اِس کنوینشن کی شدید خلاف ورزی کے طور پر ہی دیکھا جائے گا۔

اِس تمہید کے بعد یہ آرٹیکل ایک جنگی قیدی کے تحفظ و سلامتی کے تعلق سے بات کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کسی بھی جنگی قیدی کو کسی مسخ یا طبّی تجربے کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔اِسی طرح کسی جنگی قیدی کو تشدد کا نشانہ بنانے، یا اُس کو ڈراوے دینے یا اُس کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرنے یا اُس کو عوامی تجسس کی بھینٹ چڑھا دینے کی

---

[16] The Geneva Convention, 12 August 1949, ARTICLE: 4, Pp: 44-45

[17] The Geneva Convention, 12 August 1949, ARTICLE 13, Pp: 139

ممانعت بھی کرتا ہے۔اِس کنونشن کا آرٹیکل پندرہ قیدی بنانے والے اقتدار پر قیدیوں کی مناسب دیکھ بھال کی ذمہ داری بھی عائد کرتا ہے:

The Power detaining prisoners of war shall be bound to provide free of charge for their maintenance and for the medical attention required by their state of health.[18]

مفہوم: جنگی قیدیوں کو اپنی حراست میں رکھنے والی قوت اِس بات کی پابند ہو گی کہ بلا معاوضہ اُن کی صحت و سلامتی کو یقینی بنانے میں مددگار سہولیات اور طبّی نگہداری اُن کی صحت کے تقاضوں کے مطابق مہیا کرے۔

اِسی طرح اِس کنونشن کا آرٹیکل 26 یہ بتاتا ہے کہ روزانہ کی خوراک اور راشن اپنی مقدار، کوالٹی اور تنوع میں کافی و مناسب ہونا چاہیے۔تا کہ جنگی قیدی کی اچھی صحت بر قرار رہ سکے اور اُس کو جسمانی وزن کی کمی سے بچایا جا سکے یا غذائی قلت کے اثرات مرتب نہ ہو سکیں۔اِس ضمن میں عادتاً استعمال ہونے والی انسانی خوراک ہی اِن قیدیوں کو دی جائے گی۔یہ آرٹیکل اِن امور سے متعلقہ دیگر تفصیلات بھی عمدگی سے پیش کرتا ہے۔[19]

اِن تمام اُمور یا جہاں تک بھی راقم السطور کی اِس کنونشن کی دفعات تک نظر گئی ہے، کوئی خلاف ضابطہ شے نظر نہیں آتی۔اسلام کا پہلا ہدف ہی ایک انسان کو اچھا انسان بنانا اور اُس کو اعلیٰ و ارفع اخلاقی اقدار سے ہم آہنگ کر دینا ہے۔لہٰذا جو شخص بھی اِس مرتبت کا حامل ہو گا اُس کو اِن معاملات میں کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہو گی۔بلکہ یہ تمام چیزیں اُس کی اپنی سوچ و فکر کی آئینہ داری کریں گی۔ایک جنگی قیدی باندھا پکڑا ہونے کے باعث قابل رحم حالت میں ہوتا ہے۔علامہ سرخسی نے حسبِ ذیل روایت بیان کی ہے اور اِس پر اعتماد کرتے ہوئے اِس سے استدلال بھی کیا ہے کہ عبداللہ بن عامر نے ابن عمر کے پاس ایک قیدی کو قتل کر دینے کے لیے بھیجا تو انہوں نے فرمایا:

---

[18] The Geneva Convention, 12 August 1949, ARTICLE 15, Pp: 152

[19] The Geneva Convention, 12 August 1949, ARTICLE 26, Pp: 196

"اَمَا وَ اللهِ مَصْرُوْرًا فَلَا اَقْتُلُهٗ ۔ یعنی : بَعْدَ مَا شَدَدْتُمُوْهُ وَ اَسَرْتُمُوْهُ فَلَا اَقْتُلُهٗ "[20]

ترجمہ: اجی نہیں! اللہ کی قسم یہ باندھا پکڑا شخص ہے تو میں اِس کو قتل نہیں کروں گا۔ مطلب یہ کہ جب تم لوگوں نے اِس شخص کو باندھ لیا ہے اور قیدی بنالیا ہے تو اَب میں اِس کو کسی صورت قتل نہیں کروں گا۔

رسولِ کریم ﷺ نے آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے باقاعدہ طور پر جنگی قواعد و ضوابط کے تعلق سے اپنا بے مثال اور لائق تقلید اُسوۂ مبارکہ دنیا کے سامنے پیش فرمادیا تھا۔ قبل ازیں عالم عربی میں جنگ و جدال ایک وحشیانہ عمل تھا۔ درندگی و سفاکی شیوۂ مردانگی سمجھی جاتی تھی۔ عرب شاعر درید بن صِمّہ ایک معرکے میں اپنے چچازاد بھائی کے قتل کے بعد جب موقع واردات پر پہنچتا ہے تو بری طرح سے مسخ شدہ لاش کو دیکھنے کے بعد شخص کے مرثیہ میں کہتا ہے:

"فَجِئْتُ اِلَيْهِ وَالرِّمَاحُ تَنُوْشُهٗ كَوَقْعِ الصَّيَاصِيْ فِي النَّسِيْجِ الْمُمَدَّدِ
وَ كُنْتُ كَذَاتِ الْبَوِّ رِيْعَتْ فَاَقْبَلَتْ اِلٰى جَلَدٍ مِّنْ مَّسْكِ سَقْبٍ مُقَدَّدِ "[21]

ترجمہ: چنانچہ میں اُس کے پاس اِس حال میں آیا کہ نیزے اُس کے جسم میں اِس طرح پیوست ہو رہے تھے جیسے جولاہے کا کانٹا بنے ہوئے کپڑے کے تھان میں پیوست ہوتا ہے، اور میں اُس بُھس بھرے بچہ والی اونٹنی کی طرح تھا جو اُسے دیکھ کر پہلے پہل ڈرتی ہے پھر اپنے ہی بچہ کے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے چمڑے پر متوجہ ہو جاتی ہے۔

یہ بے بسی و لاچاری صدیوں سے انسانوں کے کلیجے چھلنی کیے دے رہی تھی۔ رسولِ کریم ﷺ نے تاریخ انسانی میں پہلی بار آداب القتال بھی سکھائے ہیں ۔ اور اپنا بہترین اُسوۂ مبارکہ بھی اِس ضمن میں یاد گار چھوڑا ہے۔ مشرکین مکہ کے ساتھ میدانِ بدر میں لڑی جانے والی پہلی باقاعدہ جنگ سے ہاتھ آنے والے قیدیوں کے تعلق سے ارشادِ باری ہے:

---

[20] سرخسی، محمد بن احمد، شرح کتاب السیر الکبیر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، بلاسن طباعت، ص:124، ج:3

[21] ابو تمام، حبیب بن اَوس، الطائی، دیوان الحماسہ، مترجم محمد اسحاق، لاہور، المکتبۃ السلفیہ، بلاسنِ طباعت، ص:213

"مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ لَوْ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"[22]

ترجمہ: کسی بھی نبی کے لیے یہ مناسب ہی نہیں ہوتا کہ جب تک وہ روئے زمین پر ایک مربوط نظام قائم نہ کرلے، اُس کے پاس کچھ قیدی ہوا کریں، تم دنیاوی ساز و سامان کو دیکھتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ رکھتا ہے، اور اللہ بہت ہیبت و دھاک رکھنے والا حکیم ہے۔ اور اگر اللہ کی بارگاہ سے پہلے ہی کتاب نہ آچکی ہوتی تو یقیناً تم لوگوں کو بھی بڑی سزا مل جاتی۔ تو اَب جو بھی حلال و پاکیزہ غنیمت تم لوگوں کے ہاتھ آئی ہے اُس میں سے کھاؤ، اور ڈرتے رہو اللہ سے یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بہت ہی مہربان ہے۔ اے نبی! اپنے پاس موجود قیدیوں سے کہہ دیجیے: اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں خیر معلوم ہوگی تو جو کچھ تم لوگوں سے لے لیا گیا ہے اُس سے بہت بہتر تمہیں عطا فرمادے گا، اور تمہیں معاف بھی فرما دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا بہت ہی مہربان ہے۔

یہاں چند ضروری اُمور پر گفتگو مناسب معلوم ہوتی ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج نے زیرِ بحث آیاتِ کریمہ کے متعدد و مختلف تراجم و تفاسیر پر کافی نقد و نظر کیا ہے اور آخر میں امین احسن اصلاحی کے مؤقف کو درست قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے نزدیک اصلاحی صاحب کا مؤقف نہ صرف منفرد اور قابلِ توجہ ہے بلکہ اِس لائق بھی ہے کہ اُسے قرآنی فکر و نظام کا آئینہ دار قرار دیا جاسکے"۔[23]

---

[22] الانفال:8، آیات:70-67

[23] اوج، محمد شکیل، پروفیسر، ڈاکٹر، صاحبِ قرآن ﷺ، جامعہ کراچی، مسندِ سیرت، اپریل:2013ء، ص:178

امین احسن اصلاحی آیاتِ زیر بحث کے ترجمہ و تفسیر میں بہت منفرد و متفرد نظر آتے ہیں۔ آپ کے تفسیری مباحث کو یہاں نقل کرنا تو باعث طوالت ہو گا۔البتہ آپ کے نتیجۂ فکر کا خلاصہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔آپ کا خیال ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آیاتِ مندرجہ بالا میں نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو نہیں بلکہ قریش مکہ کو خطاب اور سرزنش و عتاب کا معاملہ فرمایاہے۔اور وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے کہ عیاذًا باللہ تعالیٰ آپ ﷺ ہوس اقتدار میں مبتلا تھے۔اپنی قوم میں خونریزی کرائی،اپنے بھائیوں کو قید کیا ،اِن کا مال لوٹا اور اِن سے فدیہ وصول کیا۔اصلاحی صاحب کا مدعا یہ ہے کہ یہ آیاتِ کریمہ اِس پیرائے میں سرزنش کرتے ہوئے قریشِ مکہ سے مخاطب ہیں کہ یہ ساری باتیں تمہاری اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں۔[24]

یہ مؤقف بلاشبہ قرآن حکیم کے نظم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ نظمِ قرآنی کی اِس راہ میں دو بڑی رکاوٹیں حائل تھیں۔ایک " مَا اَخَذْتُمْ "،یعنی:جو کچھ تم لوگوں نے لیاہے۔یہ قیدیوں کے بدلے فدیہ کی وصولی کا معاملہ ہے۔اصلاحی صاحب نے جب روئے سخن قریش مکہ کی طرف کیا تو اِن باتوں کو طے کرنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ اِن کلمات کا ترجمہ انہوں نے :"جو طریقہ تم نے اختیار کیا"،[25] کیاہے اور بظاہر بخیر و خوبی آگے بڑھ گئے ہیں۔ مگر آیت نمبر 70 میں رسولِ مکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اُن قیدیوں کو جن سے فدیہ وصول کیا گیا تھا یہ پیغام دیا گیا ہے: " يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ "،یعنی:"اے نبی!اپنے پاس موجود قیدیوں سے کہہ دیجیے:اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں خیر معلوم ہو گی تو جو کچھ تم لوگوں سے لے لیا گیا ہے اُس سے بہت بہتر تمہیں عطا فرمادے گا"۔دیکھا جا سکتا ہے کہ اُن قیدیوں کی کس انداز سے دلجوئی کی جارہی ہے اور اُن سے بہت بہتر انداز میں تلافی مافات کا ذکر کیا جارہاہے۔جہاں قیدیوں یا اُن کی وساطت سے قریش مکہ کو جواب دینا مقصود تھا، وہاں پیرایۂ اظہار ہی اَور ہے۔اِس آیۂ کریمہ میں " مِمَّا اُخِذَ

---

[24] اصلاحی،امین احسن،تدبر قرآن،لاہور،فاران فاؤنڈیشن،جولائی 2005ء،ص:511،ج:3

[25] اصلاحی،امین احسن،تدبر قرآن،لاہور،فاران فاؤنڈیشن،جولائی 2005ء،ص:512،ج:3

مِنْكُمْ" کے کلمات اور اُن کا مصداق اصلاحی صاحب کے مؤقف کی عدم صحت پر ایک کافی دلیل ہے۔ کیونکہ یہاں فدیہ کی وصولی کے سوا کچھ اَور مراد ہی نہیں لیا جا سکتا لہٰذا یہ ایک ٹھوس قرینہ ہے کہ پچھلی آیۂ کریمہ میں بھی اِس سے مراد فدیہ کی وصولی ہی تھی۔ البتہ پہلے مقام پر روئے سخن اہلِ ایمان کی جانب تھا جبکہ دوسرے مقام پر روئے سخن قیدیوں کی طرف ہے۔

مزید برآں آیت نمبر 68 میں وارد کلمات: "لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ "سادہ اور عام فہم کلمات پر مشتمل فقرہ ہے۔ اور اپنی معنوی دلالت میں بہت واضح ہے۔ اِس کے باوجود مفسرین کرام کی تفسیری آراء ناقابل فہم ہیں۔ اور حسبِ معمول معاملے کو تقدیر سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ اِس طرح تفسیر القرآن بالقرآن کا ایک شاندار موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ قرآن حکیم کا اپنا دستور ہے کہ کتاب اللہ میں پہلے سے نازل شدہ احکامات کی طرف متوجہ کرنے کے لیے حوالہ بھی دیتا ہے۔ اِس کی نظیر سورۂ نسآء کی آیت نمبر 3 کی تفسیر میں اِسی سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر 127 میں یہ کلمات وارد ہوئے ہیں: " وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ ". یعنی: اور وہ بھی اِسی ضمن میں ہے جو کتاب اللہ میں سے تمہارے اوپر تلاوت کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح سورۂ نسآء ہی کی آیت نمبر 3 کے آخر میں وارد کلمات: " فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً "، یعنی: تو اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم لوگ عدل نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی۔ اِس فقرہ میں وارد کلمۂ عدل کی گراں باری کے احساس کے تحت قرآن حکیم نے سورۂ نسآء ہی میں خود اِس کی تفسیر بھی بیان فرما دی ہے۔ ارشاد ہے:

" وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ "[26]

---

[26] النسآء:4، آیت:129

ترجمہ: اور تم لوگ ہر گز استطاعت ہی نہ پاؤ گے کہ تم لوگ عورتوں کے مابین عدل کر سکو خواہ تم کتنے ہی حریص ہو جاؤ تو تم لوگ پوری طرح سے ایک طرف مائل نہ ہو جایا کرو کہ دوسری کو اُدھر لٹکتا چھوڑے رکھو۔

تو آیۂ زیر بحث میں وارد کلمات: " لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ "، یعنی: اگر اللہ کی بارگاہ سے پہلے ہی کتاب نہ آچکی ہوتی۔ یقیناً جنگی قیدیوں کا فدیہ لینے کے تعلق سے کسی پہلے سے نازل شدہ وحی و حکم کا حوالہ ہی ہے۔ اَب یہ دیکھنا لازم ہو جاتا ہے کہ پورے قرآنِ حکیم میں کہیں کسی جگہ جنگی قیدیوں کے فدیہ کے تعلق سے کوئی حکم وارد ہوا ہے۔ تو ایک ہی جواب ہے کہ سطورِ ذیل میں درج سورۂ محمد کی آیت نمبر 4 میں جنگی قیدیوں کو بطورِ احسان یا فدیہ لے کر ہی سہی مگر چھوڑ دینے کی اجازت دے دی گئی ہے۔ لہٰذا وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ " لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ " کے فقرہ میں اِسی متقدم وحی الٰہی کی جانب اشارہ اور متعلقہ آیۂ کریمہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اور یہ آیۂ کریمہ اپنے نزول کے اعتبار سے یقیناً متقدم ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی کا مختار بھی یہی ہے۔ لکھتے ہیں:

"مفسرین آیت کے اِس فقرے کی کوئی معقول تاویل نہیں کر سکے ہیں کہ "اگر اللہ کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا"۔ وہ کہتے ہیں: اِس سے مراد تقدیرِ الٰہی ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ ارادہ فرما چکا تھا کہ مسلمانوں کے لیے غنائم کو حلال کر دے گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب تک وحی تشریعی کے ذریعہ سے کسی چیز کی اجازت نہ دی گئی ہو، اس کا لینا جائز نہیں ہو سکتا۔ پس نبی ﷺ سمیت پوری اسلامی جماعت اِس تاویل کی رو سے گناہ گار قرار پاتی ہے اور ایسی تاویل کو اخبارِ احاد کے اعتماد پر قبول کر لینا ایک بڑی ہی سخت بات ہے"۔[27]

امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

[27] مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، جنوری: 2008ء، ص: 159، ج: 2

"جنگ کے قیدیوں سے متعلق یہ قانون سورۂ محمد میں پہلے بیان ہو چکا تھا کہ وہ قتل بھی کیے جا سکتے ہیں، فدیہ لے کر چھوڑے بھی جا سکتے ہیں اور بغیر فدیہ لیے محض احساناً بھی چھوڑے جا سکتے ہیں"۔[28]

امین احسن اصلاحی صاحب کو یہاں ایک بڑا تسامح ہوا ہے۔ لہٰذا پہلے تو یہ واضح رہے کہ جنگی قیدیوں کے قتل کا کوئی حق یا اختیار قرآنِ حکیم نے کسی کو نہیں دیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اصلاحی صاحب نے قرآن حکیم کی ترتیب سے بھی ہٹ کر بات کی ہے۔ احسان مقدم جبکہ فدیہ موٴخر اختیار ہے۔ لہٰذا بر تقدیرِ تقدیم سورۂ محمد، رسولِ کریم ﷺ کا جنگِ بدر کے قیدیوں کے تعلق سے فیصلہ بھی عین کتاب اللہ کے عطا کردہ دو میں سے ایک اختیار کے مطابق ہی ہے۔ اَب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اگر رسولِ کریم ﷺ کا یہ عمل بمطابق قرآنِ حکیم ہی تھا تو مفسرین کرام نے سورۂ انفال کی آیت نمبر 67 اور مابعد کو عتابِ خداوندی پر محمول کیوں کیا ہے؟ راقم کی دانست میں یہ بھی مفسرین کرام کی غلط فہمی کا نتیجہ ہی ہے۔ یہاں عتاب کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ یہ دراصل تذکیر بالاحسان ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نبی مکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرام کو اپنا یہ احسان یاد دلایا ہے کہ اللہ نے کتاب اللہ میں یہ حکم نازل فرما رکھا تھا جس کے باعث تم لوگ پکڑ سے بچ گئے ہو۔ اگر یہ حکم پہلے سے نازل شدہ نہ ہوتا اور تم لوگ اپنی صوابدید کی بنیاد پر ایسا کوئی فیصلہ کرتے تو معاملہ یقیناً مختلف ہوتا۔ یعنی حکمِ الٰہی پہلے سے ہی نازل شدہ نہ ہوتا تو گرفت ہوتی، چونکہ پہلے سے نازل شدہ ہے اِس لیے گرفت نہ ہوئی تو پہلے سے اِس حکم کا نازل شدہ ہونا ایک بڑی نعمت اور عظیم احسان تو ہے۔ یہاں عتاب کا عنصر کہیں نظر نہیں آتا۔ قرآنِ حکیم کے کلمات پر ایک مرتبہ پھر غور فرمالیجیے: " لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ"، یعنی: اگر اللہ کی بارگاہ سے پہلے ہی نوِشتہ آنہ چکا ہوتا۔ گویا یہ حکم پہلے سے موجود تھا جس پر قریب قریب کما حقہٗ عمل ہوا ہے۔ تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم واحسان ہی ہے کہ ایک آنے والی مشکل کا حل پہلے سے ہی کتاب اللہ میں عطا فرما دیا تھا اور موجود تھا۔ لہٰذا یہ عتاب نہیں ہے تذکیر بالاحسان ہی ہے۔ اگر مفسرین کرام کا فحوائے کلام کو

---

[28] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، جولائی 2005ء، ص: 13-512، ج: 3 (جامعہ کراچی، بروز بدھ، 17 فروری 2021ء)

دیکھتے ہوئے یہ اصرار برقرار ہی ہے کہ عتاب ہوا ہے تو پھر ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔ لہٰذا بر سبیل تنزل کچھ دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کوئی عمل ایسا ہے کہ جس کی بناء پر عتاب نازل ہوا ہے مگر ہنوز اُس اَمر کی واضح نشاندہی ممکن نہیں ہو سکی ہے۔ تو ہمارے پاس ایک بہتر راستہ کھلا ہے۔ یہ غور کر لیا جائے کہ بارگاہِ حق سے سورۂ محمد میں جنگی قیدیوں کے تعلق سے کیا کیا اختیارات تفویض کیے گئے تھے۔ تو لیجیے! غور فرمالیجیے! ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَا انْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ "[29]

ترجمہ: تو جب تم لوگوں کا کفار کے ساتھ مقابلہ ہو تو پھر گردنیں مارنا، یہاں تک کہ جب تم لوگ اُن کو ایک مربوط بند وبست کے تحت لے آؤ تو پھر مشکیں خوب کس دینا، تو پھر اِس کے بعد یا تو بطورِ احسان یا بعوضِ فدیہ رہا کر دینا، یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے، بات یہ ہے، اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی وہ مؤثر امداد کے ذریعے ہی اُن سے نجات دِلا دیتا، لیکن اُس کی مشیت یہ ہے کہ وہ تمہی میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈال دے، اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں تو وہ ہر گز اُن کے اعمال کو ضائع نہیں فرمائے گا۔

اِس آیۂ کریمہ میں دو ہی اختیار تفویض ہوئے ہیں: ایک ہے: " فَاِمَّا مَنًّا "، یعنی: "تو پھر یا تو احسان کرتے ہوئے اِن جنگی قیدیوں کو چھوڑ دینا ہے"۔ یہ پہلا اختیار ہے۔ اور یہ اَمر بھی ملحوظ رہے کہ دوسرے پر اِس اختیار کو متقدم رکھا گیا ہے۔ یہ طرزِ عمل مناسب اور افضل و اولی ہے اِس لیے اِس کو مؤخر الذکر پر ترجیح حاصل ہے۔ اَب دوسرا اختیار بھی ملاحظہ کر لیجیے: " اِمَّا فِدَآءً "، یعنی: "تو اگر پہلے اختیار پر عمل دشوار ہو تو پھر یہ صورت ہے کہ فدیہ لے کر ہی جنگی قیدیوں کو آزاد کر دینا"۔ اَب دیکھا جا سکتا ہے کہ " مَاۤ اَخَذْتُمْ "، یعنی: جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے۔ "اور" مِمَّاۤ اُخِذَ

[29] سورہ محمد: 47، آیت: 4

مِنْكُمْ ، یعنی: تم لوگوں سے لے لیا گیا ہے "دونوں ہی فدیہ کی وصولیابی کے بیّن ثبوت ہیں۔ لہٰذا بے وجہ اَولیٰ سے غیر اَولیٰ کی طرف مراجعت ہوئی ہے جو صاف نظر بھی آتی ہے۔ اور بس۔ اِس صورت میں قرآنِ حکیم کی ترجیح یہی نظر آتی ہے کہ کسی طرح کا دنیاوی ساز و سامان، عوض، بدلہ یا فدیہ لیے بغیر فقط احسان کر کے ہی جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ایک انسان دوست دین ہے۔ انسانیت کی بھلائی اور بہتری کی خاطر ہی آیا ہے۔ اِس انسان دوستی کا عالم یہ ہے کہ " فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً "، یعنی: "پھر اِس کے بعد احسان کر کے چھوڑ دینا یا پھر فدیہ لے کر ہی چھوڑ دینا"۔ اِس ارشادِ پاک میں بھی احسان کو ہی مقدم رکھا گیا ہے۔ اور یہ کسی وجہ سے دشوار ہو تو فدیہ لے کر چھوڑ دینے تک کی اجازت بھی موجود ہے۔ مگر اول الذکر سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ثانی الذکر کی طرف مراجعت میں یہ پہلو بھی مدِّ نظر رہنا ضروری ہے کہ اِس رجحان سے اول الذکر کے تقدم و فضیلت کا زیاں ہے۔ چنانچہ اسلام کا بنیادی مقصد ہی دنیا سے فتنہ و فساد کا خاتمہ ہے نہ کہ انسان یا بنی نوعِ انسان کی تباہی و نابودی۔ قرآنِ حکیم، حدیث و سنہ، سیرتِ طیبہ اور تاریخ اسلامی سب سیَر کے مسائل و معاملات اور جملہ تفصیلات کے حوالے سے معمور و مملوء ہیں۔ فقہائے اسلام نے کتب فقہ میں سیَر کے ابواب کے تحت اُن کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اور سیَر کے عنوان سے مستقل کتابوں کا ایک بڑا اور قابلِ فخر علمی ذخیرہ تیار کر دیا ہے۔ قرآن حکیم نے قتال کی علت ہی فتنہ و فساد کو قرار دیا ہے۔ جہاں یہ رک جائے وہیں معاملات کو پرامن راستے پر لے جانا ذمہ داری بن جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ، فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ"[30]

---

[30] البقرہ:2،آیت:193

ترجمہ: اور جنگ کرواِن سے تب تک جب تک کہ فتنہ ہی باقی نہ رہے، اور دین اللہ ہی کا ہو جائے، تو اگر یہ باز آ جائیں تو پھر کسی پر کوئی دست اندازی نہیں ہاں مگر ظالموں پر۔

ظلم و جور اور وحشت و بربریت اِسلام کے خمیر میں ہی نہیں ہے۔ یہ اپنے پیروکاروں کو مشکل ترین حالات میں بھی عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت تک نہیں دیتا۔ لٰہذا جتنے بھی جنگی قیدی ہوں اُن کے معاملے میں حق اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے غیر متشدد اور غیر متعصب رہنا بھی اسلامی تعلیمات ہی کا اقتضاء ہے۔ سطورِ بالا میں جنگی قیدیوں کے تعلق سے کافی سیر حاصل گفتگو ہو چکی ہے۔ اِس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو فقط اُن کے اوپر احسان کر کے ہی رہا کر دینا قرآن حکیم کی اولین ترجیح ہے۔ اور بوجوہ اگر یہ ممکن نہ رہ جائے تو کم از کم فدیہ لے کر ہی اُن کی جاں بخشی کر دی جائے۔ الغرض نہ تو اُن کی جان لی جا سکتی ہے اور نہ ہی اُن کو قید میں رکھا جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کی اُن کے اپنے گھروں کو بحفاظت واپسی کو یقینی بنانا ہی اسلامی تعلیمات کا عین اقتضاء ہے۔ چنانچہ اِن بنیادوں پر آئی سی آر سی کے ساتھ تعاون میں نہ صرف کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ یہ اتفاق و تعاون از روئے شریعتِ اسلامی، ایک مستحسن اقدام ہی شمار ہو گا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial-ShareAlike 4.0 International (CC BY-NC-SA 4.0)